غلافِ کعبہ ڈالا گیا تھا۔تمام راستہ پھولوں کی بارش ہوتی رہی۔ جب لاش لحد تک پہنچی تو ایک طرف علماء وحفاظ قرآن مجید پڑھ رہے تھے۔میت کو بری فوج کے 1000، ہوائی فوج کے 300 اور بحری فوج کے 500 جوانوں نے اپنے عسکری بانکپن کے ساتھ آخری سلام کیا۔(۲۰۷)

التراث: جنازہ اٹھاتے وقت "کلمہ شہادت کی صدائیں بلند کرنا" بھی رسول اللہ ﷺ اور اسلافِ امتؒ سے ثابت نہیں۔اسی طرح جنازہ پر "دہلی کی روایت" کے مطابق غلافِ کعبہ ڈال دینا بھی۔ روایتِ دہلی کے برخلاف "روایتِ رسالت مآب ﷺ" میں جنازہ پر اصلی یا نقلی غلافِ کعبہ ڈال دینا اور پھول برسانا بھی ثابت نہیں۔قبر کے پاس قرآن خوانی بھی رسول اکرم ﷺ سے ثابت نہیں۔ہمیں بحیثیت مسلمان ہر اس رسم ورواج سے پرہیز کرنا چاہیے، جس پر "محمد رسول اللہ ﷺ" کی مہر مبارک نہ لگی ہو؛ خواہ وہ عمل Made in India ہو یا Made in Baghdad

مولانا احمد سعید دہلویؒ نے نمازِ جنازہ پڑھا کر لحد میں اتارا۔قبر پر مٹی ڈالی گئی تو پنڈت جواہر لال نہرو نے گلاب چھڑکا اور اس طرح روئے کہ ساری فضا اشک بار ہوگئی۔مولانا آزادؒ جامع مسجد اور لال قلعہ کے درمیان پارک میں دفن کیے گئے۔ مزار کھلا ہے اس کے اوپر سنگی گنبد کا طرہ ہے۔اور چاروں طرف پانی کی جدولیں اور سبزے کی روشیں ہیں۔(۲۰۸)

التراث: اللہ کا شکر ہے کہ سنت کے مطابق قبر کھلی تھی؛ لیکن اس کے اوپر گنبد کا طرہ بھی نہیں ہونا چاہیے تھا۔حضرت جابرؓ کا بیان ہے: "نهى رسولُ اللّٰهِ ﷺ أن يُجَصَّصَ القبرُ وأن يقعدَ عليه وأن يبنىٰ عليه" [صحيح مسلم كتاب الجنائز ٢٧/٧ ح:٩٤] "رسول اللہ ﷺ نے قبر کو چونہ گچ کرنے، اس پر بیٹھنے اور اس پر تعمیر کرنے سے منع فرمایا۔"

وسیلہ نجات: مولانا آزادؒ کے جنازے میں بہت سے طلبہ اور بہت سی بیوائیں دھاڑیں مار مار کر رو رہی تھیں۔ معلوم ہوا کہ آپؒ اپنی تنخواہ میں سے امداد ووظائف دیا کرتے تھے۔بسا اوقات اپنی قیمتی اشیاء فروخت کر کے یا قرض لے کر محتاجوں کی اعانت فرماتے تھے۔(۱۲۹-۱۳۰) جب انتقال کر گئے تو پتہ چلا کہ وزیر تعلیم صاحبؒ کی شیروانیوں میں ہی نہیں، قمیصوں اور پاجاموں میں بھی پیوند لگے ہوئے تھے۔(۷۴)

التراث: فرزند توحید کا یہ پرخلوص عمل سعادت مند زندگی اور اخروی مراحل میں رحمتوں سے فیضیاب کر کے رب ذوالجلال کے ہاں اعلیٰ مقام دلاتا ہے۔اللہ پاک مولاناؒ کی بشری لغزشوں سے درگزر فرما کر فضل عظیم سے نوازے۔اور اس عظیم شخصیت کے نقش قدم پر چلانے کی کوشش پر مولانا عبدالقیوم حقانی کو بھی جزائے خیر عطا فرمائے۔آمین

قبولیتِ اسلام

البرٹ سے عبداللہ تک

ایک غیر مسلم کے قبول اسلام کی کہانی خود اسی کی زبانی

ترجمہ: قربان انجم　　انتخاب: ابوحبیب

''میں امریکہ کے بڑے شہر اور عالمی مرکز نیویارک میں پیدا ہوا۔ عیسائی ماں باپ نے میرا نام البرٹ رکھا۔ میرے والد ایک کٹر عیسائی تھے۔ وہ پادریوں کو عقیدت اور احترام کی نظر سے دیکھتے۔ اکثر پادری والد محترم سے ملاقات کے لیے کئی بار ہمارے گھر آئے۔ وہ جب بھی آتے، مذہبی موضوع پر گفتگو کیا کرتے تھے۔ ان کی بحث وتمحیص سے بآسانی اندازہ لگایا جاسکتا تھا کہ ان کے دلوں میں مسلمانوں اور اسلام کے خلاف نفرت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہے۔ وہ مسلمانوں کو گفتگو یا مناظرے کے ذریعے عیسائیت کی طرف دعوت دینے سے زیادہ تنقید بلکہ تنقیص پر اپنا وقت صرف کیا کرتے تھے۔ اور مجھے یہ تاثر ملتا تھا کہ وہ اس طرز عمل کو عیسائیت کی خدمت سمجھ رہے ہیں۔

والد صاحب مجھے سمجھایا کرتے تھے کہ یہ پادری چونکہ ہمیں نجات کی راہ سکھاتے ہیں، اس لیے تم ان کی صحبت سے زیادہ سے زیادہ مستفید ہونے کی کوشش کیا کرو۔ ان سے ملاقاتوں اور گفتگو کے لیے جو بھی موقع ہاتھ آئے، اسے اپنی خوش بختی سمجھ کر فائدہ اٹھایا کرو۔ یہ مقدس لوگ ہیں، ان کی باتیں غور سے سنا کرو؛ تاکہ تمہارے علم میں اضافہ ہو اور تمہیں حق کے راستے پر چلنے کی تحریک ملے۔ لہٰذا میں ان مقدس پادریوں کے پاس بیٹھتا، ان کی باتیں غور سے سنا کرتا۔ بچپن اور لڑکپن کی عمر میں میرا یہ ذہن بن چکا تھا کہ عیسائیت دنیا کا سب سے بڑا مذہب ہے۔ اور یہ انسان کی نجات کا واحد راستہ ہے۔ میرے دل ودماغ میں یہ بات بیٹھ گئی تھی کہ دنیوی واخروی فلاح صرف عیسائیت اپنانے اور اس کی ترویج ہی سے ممکن ہے۔

میرے والد کے زیر مطالعہ کتابوں میں سے اکثر کا تعلق عیسائیت ہی سے ہوتا تھا۔ وہ ہر وقت عیسائیت کی دعوت عام کرنے کے مختلف طور طریقوں پر غور کیا کرتے تھے اور عیسائیوں کو دعوتی کام پھیلانے پر اکساتے رہتے تھے۔

میں ان بزرگوں کی محفل میں بالعموم شریک رہتا۔ غور سے ان کی باتیں سنتا اور کم سنی کے باعث ان کا اثر قبول کرتا۔ میرے سامنے تقابلی جائزے کے لیے کسی دوسرے مذہب کی نہ کوئی کتاب ہوتی اور نہ ہی دوسرے کسی مذہب کے کسی بزرگ یا عالم سے ملاقات سے گفتگو وغیرہ کی نوبت آتی۔ میرے نزدیک اپنی اس عمر میں ویسے بھی تقابلی مطالعہ ونظر میں یہ حقیقت پوری

طرح جاگزیں ہو چکی تھی کہ عیسائیت ہی واحد سچا مذہب ہے، اس لیے میں دوسرے مذاہب کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کو غیر ضروری سمجھتا تھا۔ نہایت اہم بات یہ کہ مقدس پادریوں کی باتوں سے میں اپنے آپ کو سچا مذہبی انسان ہی نہیں بلکہ ایک باعمل عیسائی بھی سمجھنے لگا تھا۔ میرے لیے یہ بات نہایت اطمینان بخش تھی کہ یسوع مسیح نے اپنے خون کو قیامت تک پیدا ہونے والے تمام عیسائیوں کی نجات کے لیے کفارہ بنا دیا ہے۔ عیسائی اس دنیوی زندگی کے دوران جتنے بھی گناہ کریں گے سب معاف ہو جائیں گے۔ روزِ آخرت کسی قسم کی باز پرس نہیں ہوگی۔ دوسرے لفظوں میں کہا جا سکتا ہے کہ تمام عیسائیوں کے گناہ ارتکاب سے پہلے ہی معاف کیے جا چکے ہیں۔ میں بھی اپنی محفل میں عیسائیت کی "حقانیت" پر اپنی عقل وشعور کے مطابق بحث کرنے لگا۔ تمام گناہ معاف ہونے کی بات بڑے فخر کے ساتھ بیان کیا کرتا۔ مجھے حضرت یسوع مسیح کے خون کا کفارہ بن جانے کے عقیدے سے دلی مسرت حاصل ہوتی تھی۔ مجھے مقدس پادریوں نے پورے یقین اور شرح صدر کے ساتھ یہ بتلا دیا تھا کہ دنیا میں عیسائیت کے علاوہ تمہیں کوئی مذہب ایسا نہیں ملے گا، جس میں کسی ہستی نے انسان کے گناہوں کا پہلے ہی کفارہ ادا کر دیا ہو۔ ان دنوں میں مقدس پادریوں کی ہر بات کو حرف آخر سمجھا کرتا تھا۔

جب میں نے اپنی ابتدائی تعلیم مکمل کر لی تو میرے والدین نے سوچا کہ اسے ایک جنگجو سپاہی بنا دیا جائے، جو عیسائیت کے غلبے اور فروغ کے لیے باطل قوتوں کے ساتھ جنگ کرے۔ چنانچہ مجھے امریکہ میں ایک فوجی اکیڈمی میں داخل کرایا گیا، جب میں اس اکیڈمی سے فارغ ہوا تو پرجوش فوجی بن چکا تھا۔ ہر جوان فوجی کی طرح میرے سینے میں بھی یہ خواہش مچل رہی تھی کہ مجھے جتنی جلد ممکن ہو موقع مل جائے اور میں میدان جنگ میں جا کر عیسائیت کے غلبے کے لیے معرکہ آرائی کر سکوں۔ میرے دل میں یہ تمنا پیدا ہوئی کہ عیسائیت کی فتح کے لیے جنگ لڑنے میں مجھے گھر والے، دوست، احباب اور پوری دنیا ایک بہادر اور شجاع نوجوان کے طور پر تسلیم کرے۔

اس دوران میں امریکہ اور اتحادیوں نے عراق پر حملہ کر دیا۔ مجھے اعلیٰ فوجی حکام نے جلد از جلد عراق پہنچ کر دشمنوں کو نیست ونابود کر دینے کا حکم دے دیا۔ امریکہ اور عراق کی جنگ کو میں عام جنگ نہیں سمجھتا تھا؛ بلکہ یہ جنگ میرے نزدیک عیسائیوں اور مسلمانوں کی جنگ ہونے کے باعث غیر معمولی اور خصوصی اہمیت کی حامل تھی۔ یہی احساس اور ادراک میرے اندر ولولے، جذبے، اور جوش کو دوآتشہ کر رہا تھا۔ مجھے یوں محسوس ہو رہا تھا کہ اب مجھے اپنے دیرینہ خوابوں کو شرمندۂ تعبیر کرنے کا موقع میسر آ گیا ہے۔ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف عیسائی پادریوں نے میرے اندر جو اشتعال بھر دیا تھا، اب اسے شرمندہ تعبیر کرنے اور مسلمانوں کو صفحۂ ہستی سے مٹانے کا شاندار موقع مل گیا تھا۔

میں فوجی دستے میں شامل ہوکر ایک فوجی طیارے کے ذریعے بغداد ائرپورٹ پر اترا تو میرے اندر ایک مقدس مشن ادا کرنے کا جذبہ موجزن تھا۔ مجھے ڈائریکٹ فوجی ساتھیوں کے ہمراہ ایک میدان میں پہنچا دیا گیا، جہاں دور دور تک کوئی آبادی تھی نہ کوئی روئیدگی۔ تاحد نظر ایک چٹیل میدان تھا اور بس! چاروں طرف بم پھٹ رہے تھے۔ آسمان سے میزائلوں کی بارش ہورہی تھی۔ اچانک ہمارے آس پاس ہی سے فضا میں طیارے بلند ہوتے اور زمین پر وحشیانہ انداز میں بڑے بڑے جدید بم برسانے لگتے کہ انسان اور زمین دہل کر رہ جاتے۔ چاروں طرف موت رقص کرنے لگتی۔ لاشوں کے ڈھیر لگ جاتے۔ دھواں، آگ اور خون کی بارش اور خون کا بہاؤ! یہ تھی وہ مقدس خدمت' جو میں مذہبی جذبے سے مغلوب ہوکر ادا کر رہا تھا۔ اور ایک لحاظ سے اپنی مذہبی تسکین کا سامان کر رہا تھا۔ آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ مذہب کے نظریات بھی اشتعال انگیزی کے باعث ایک اچھے بھلے محبت کرنے والے انسان کو دہشت گردی کی بھٹی میں جھونک دیتے ہیں۔

ہمارے کمانڈر نے ہمیں ایک نقشہ فراہم کیا، جس میں ایک عراقی فوجی کیمپ کی نشاندہی کی گئی تھی۔ اس میں تفصیل کے ساتھ بتایا گیا تھا کہ اس کیمپ میں کثیر تعداد میں ایسے مسلمان فوجی ہیں جو جنگی جنون میں مبتلا ہیں۔ یہ عسکریت پسند، بنیاد پرست ہیں اور ان کا مشغلہ "بے گناہ" عیسائیوں کے خون سے ہولی کھیلنا ہے۔ اس کیمپ کو جتنی جلدی ممکن ہو تباہ کر دیا جائے۔ اس تباہی سے دشمن کے حوصلے پست ہوں گے اور ہمیں بہت بڑی "فتح" حاصل ہوگی۔ کمانڈر کے حکم کی تعمیل ہمارا فرض تھا اور اس کی ہدایات کے عین مطابق ہم نے مذکورہ نقشے میں بتائی گئی کیمپ کا رخ کیا اور اس کے نزدیک پہنچ کر نگرانی شروع کر دی۔

قریب سے دیکھنے کا موقع ملا تو میری حیرت کی انتہا نہ رہی کہ اس فوجی کیمپ کے بنیاد پرست مسلمان بے حد پرہیزگار ہیں۔ سورج نکلنے سے پہلے ایک پہاڑی کی آڑ میں جمع ہوکر نماز ادا کرتے تھے اور جب سورج غروب ہونے لگتا، تب بھی وہ صف میں کھڑے ہوکر نماز ادا کرتے تھے۔ اس کے علاوہ سورج ڈھلنے کے بعد اور رات کے ابتدائی حصے میں بھی نماز پڑھتے تھے۔ یہ مسلمان فوجی کیمپ میدان جنگ میں تھا۔ اور جب بھی کوئی شخص یا گروہ جنگ کر رہا ہو تو اس کی تمام صلاحیتیں، توجہ اور اوقات کار کا مرکز ومحور صرف اور صرف جنگ ہوتا ہے۔ مگر یہ مسلمان معلوم نہیں کس مٹی سے بنی ہوئے تھے، کہ انہیں نماز اپنی جانوں سے بھی زیادہ عزیز تھی۔

جہاں تک ہمارا تعلق تھا ہم سب فوجی صرف جنگ ہی کے بارے میں سوچتے تھے، عبادت سے ہمیں کوئی سروکار نہیں تھا۔ ایک مرتبہ میرے ذہن میں آیا کہ یہ لوگ نماز ادا کرتے وقت نہایت یکسوئی کے ساتھ اپنے اللہ سے ہم کلام ہوتے ہیں۔ غالباً اللہ سے ان کی یہ قربت ہی انہیں دشمن کے حملے کے خوف سے بے نیاز کر دیتی ہوگی۔ میرے لیے مسلمانوں کی باجماعت

نماز کا منظر بے حد حیرت انگیز تجربہ تھا۔ میں نے اس قسم کا حیران کن منظر اپنی زندگی میں نہیں دیکھا تھا۔ میں سوچتا تھا کہ یہ کیسے لوگ ہیں جو میدان جنگ میں موت کے خوف سے بے نیاز ہو کر عبادت کر رہے ہیں۔ ان کی حرکات وسکنات سے ذرہ بھر شائبہ نہیں ہوتا تھا کہ وہ کسی مصیبت یا پریشانی میں مبتلا ہیں۔ ادھر میں اپنے ساتھی عیسائی فوجیوں کا جائزہ لیتا، تو مجھے یہ حالت نظر آتی کہ وہ ہر وقت موت کے ڈر سے اداس رہتے ہیں۔ کبھی کبھار تو ان کے اعصاب پر اپنا متوقع حشر دیکھ کر لرزہ بھی طاری ہو جاتا۔ میں نے اپنے ساتھیوں کو دیکھا کہ بہت سے فوجیوں کے چہرے خوف کے مارے پہلے ہی پیلے پڑ چکے ہیں۔ ان میں نفسانفسی کا عالم دیکھنے میں آتا تھا۔ اگر مسلمان کسی عیسائی زخمی فوجی کو گرفتار کر کے لے جا رہے ہوتے، تو میرے ساتھیوں کو اسے بچانے کی کوئی فکر نہ ہوتی تھی؛ بلکہ انہیں اپنی جان کے لالے پڑ جاتے تھے۔ جبکہ عراقی مسلمان فوجی اپنی جان کی پروا نہ کرتے ہوئے اپنے ساتھیوں کی مدد کے لیے پہنچ جاتے تھے۔ یہ بھائی چارے کا جذبہ قابل دید تھا؛ جس نے مجھے بے حد متاثر کیا۔

قدرتی طور پر میرے ذہن میں بار بار یہ سوال اٹھتا کہ مسلمانوں میں ایسی کون سی چیز ہے، جو ہمارے فوجیوں میں دور دور تک دیکھنے میں نہیں آتی ؟! خود میں نے اپنے اندر بار بار جھانک کر دیکھا، اس قدر خلوص اور ایثار یہاں بھی مجھے نظر نہیں آیا۔ میں سوچتا یہ مسلمان آخر موت سے کیوں نہیں ڈرتے ؟ اپنی جان، اپنی زندگی ہی تو سب سے قیمتی چیز ہے۔ یہ موت کے خوف سے بے نیاز نماز ادا کرتے ہیں۔ آخر یہ عقیدہ اتنا مضبوط اور طاقت ور کیسے ہو گیا؟ ان لوگوں میں محبت اور بھائی چارے کا یہ نہایت گرانقدر جذبہ آخر کہاں سے پیدا ہو گیا؟ اس بے مثل اخوت کا آخر راز کیا ہے؟ جب میں نے مسلمانوں اور عیسائیوں کے کردار کا تقابلی جائزہ لیا تو مسلمانوں کے عقائد پر روز بروز زیادہ سنجیدگی سے غور وفکر کرنے لگا۔ میں عیسائیوں کی ڈانوں ڈول اور اللہ سے یکسر دوری کو دیکھ کر بے چین ہو جاتا۔ ہم نے مسلمانوں کے اس فوجی کیمپ پر "قبضہ" کر لیا تھا؛ مگر عجیب بات ہے کہ میرے اندر سے آواز آ رہی تھی کہ ہم فی الحقیقت ہار گئے ہیں اور "فتح" مسلمان فوجیوں ہی کا مقدر بنی ہے۔ پھر مجھے تاریخ کے ایسے واقعات یاد آنے لگے جب فاتح، جیت کر بھی ہار جاتے تھے۔ یعنی فاتح مفتوح بن جایا کرتے تھے اور مفتوح فاتح!

اس اثناء میں مجھے سعودی عرب بھیج دیا گیا، وہاں کئی امریکی اڈے قائم تھے۔ وہاں میں نے ایک نئی دنیا کے مناظر دیکھے۔ نماز کے وقت روزمرہ کاروبار حتیٰ کہ بازاروں میں خرید وفروخت مکمل طور پر رک جاتی۔ لوگ اپنی دوکانیں کھلی چھوڑ کر نماز ادا کرنے مسجد پہنچ جاتے۔ ان کی عدم موجودگی میں دوکانوں میں تمام سامان بحفاظت پڑا رہتا، جبکہ اس دوران کوئی محافظ بھی نہیں ہوتا تھا۔ اوقاتِ نماز میں ان کی کوئی چیز اِدھر اُدھر نہیں ہوتی تھی۔ یہ نظارہ میرے لیے بے حد حیرت انگیز تھا۔ میں سوچتا کہ اس ملک میں اتنی ایمانداری اور دیانت داری کہاں سے آ گئی ہے؟ مساجد کے میناروں سے اذان کی صدا بلند ہوتے